اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۷، شمارہ۴، مسلسل شمارہ:۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

ارضی ثقافتی تحریک اور اردو ادب

شہلا قربان
لیکچرار اُردو
رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی، لاہور

INDIGENOUS CULTURAL MOVEMENT AND URDU

Shehla Qurban
Lecturer in Urdu
Riphah International University, Lahore

Abstract

The Indigenous Cultural Movement was a literary movement initiated by Dr Wazir Agha after the War of September 1965 between Pakistan and India. The theory reflects his deep love for the native culture and land. The patriotism of the nation was at its peak in those days and a glimpse of national sentiments and emotions can be seen in Urdu literature especially in poetry composed in that particular period. Writers both pro and against the movment wrote on it. ‘Inshaia,’ a comparatively new form of Urdu prose, gained wider ecceptance in that era. The Indigenous Cultural Movement has contributed in exploring and raising patriotic thoughts and ideas in Urdu literature. The article focuses Wazir Agha’s said literary movement.

Keywords:
Jameel Jalibi, Wazir Agha, Anwar Sadeed, Global, Cultural, Urdu, Literature, Poetry

"ارضی ثقافتی تحریک" ڈاکٹر وزیر آغا (۱۹۲۲-۲۰۱۰ء) کے ذہنی و فکری نظریات پر مبنی ایک ادبی تحریک تھی جس کے بنیادی نظریات ۱۹۶۰ء کی دہائی میں ان کے مضامین میں نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ چوں کہ وزیر آغا میں ادبی اور صحافتی صلاحیتیں ابتدا ہی سے موجود تھیں لہٰذا مولانا صلاح الدین احمد (۱۹۰۲-۱۹۶۴ء) نے ان کے تخلیقی فن کو سراہتے ہوئے انھیں ۱۹۶۰ء میں "ادبی دنیا" کا شریک مدیر بنا دیا۔(۱)

یہی گراں قدر ادارتی تجربہ، وزیر آغا کے ادبی شوق کا مہمیز بنا اور انھوں نے ۱۹۶۶ء میں رسالہ **اوراق** کا اجرا کیا۔ وزیر آغا کی اس ادبی نظریاتی تحریک کو نمایاں کرنے میں **اوراق** کا بھی ایک کلیدی کردار رہا ہے۔ وزیر آغا نے اردو ادب میں روایت سے ہٹ کر اپنے نظریات پیش کیے۔ چوں کہ وہ ایک زمین دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ارض وطن سے انسیت اور مٹی کی محبت ان کے خون میں رچی بسی تھی۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے ان کی یہ نظریاتی اور قلبی وابستگی ہی انھیں "ارضی ثقافتی تحریک" کی نظریہ سازی تک لے گئی۔ وزیر آغا ارضی ثقافتی تحریک کے ابتدائی اثرات علامہ اقبال (۱۸۷۷-۱۹۳۸ء) کی نظم "ہمالہ" اور اس جیسی دوسری نظموں میں تلاش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دراصل اپنی ثقافت کی جڑوں کی تلاش کا جذبہ ہی اس تحریک کی زمین ہم وار کرنے کے کام آیا اور بعد ازاں یہی جذبہ اس ارض پاک کی آزادی میں ایک توانا محرک بنا۔ چناں چہ اس ارضی ثقافتی رجحان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اُردو ادب نے اہلِ ہند کے اس ارضی ثقافتی رجحان کی پوری طرح عکاسی کی اور لکھنے والوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا جو مغربی تہذیب اور تمدن کے گن گانے کے بہ جائے (جیسا کہ حالی کے زمانے میں عام تھا) اب اپنی تہذیب اور اس کے ماضی پر فخر کرنے لگا۔" (۲)

وزیر آغا زمین اور تہذیب کے حوالے سے پاکستانی تہذیب کا سلسلہ وادی سندھ کی قدیم تہذیب سے جوڑتے ہیں۔ وہ پاکستانی تہذیب کی اصل بنیاد پانچ چھ ہزار برس قبل وادی سندھ کی تہذیب کو قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ جن لوگوں کو اس نظریے پر یقین نہیں وہ دراصل تاریخ اور تہذیب کے اچھے طالب علم نہیں ہیں۔ وزیر آغا اپنی آپ بیتی **شام کی منڈیر سے** میں بتاتے ہیں کہ ایک زمانے میں جب وہ عملی طور پر زمین کے ساتھ وابستہ رہے، انھوں نے اس مادر ارضی کے ساتھ اپنی قربت کو ازلی قربت کے

طور پر محسوس کیا اور اس وابستگی اور محبت کو صدیوں پرانے لاشعوری تجربات کا حصہ بنایا۔ وہ زمین سے اپنی وابستگی کو انسان کی ازلی فطرت کا حصہ بتاتے ہیں۔ مٹی اور زمین کا رشتہ ہی ان کے بہ قول انسان کا سب سے مضبوط اور قدیم رشتہ ہے جو کسی حالت میں منقطع نہیں ہوتا۔ انھوں نے چوں کہ زمینی لمس اور اس سے جڑی خوش بو کو بہت قریب سے دیکھا اور محسوس کیا تھا، وہ زمین کے وجود اور اس کی اہمیت کو انسان کی ہستی اور اس کے وجود کی بقا کے لیے لازمی امر سمجھتے ہیں اور صدیوں پرانے زمینی اور تہذیبی نقوش کو موجود دور کی تہذیب اور ثقافت کا وراثتی سرمایہ باور کرتے ہیں۔ ان کی اس تحریک میں زمین اور آسمان کے حوالے سے ثنویت کی بات کی گئی ہے جو تہذیبوں کی افزائش میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کسی بھی قوم کی شاعری میں پس پردہ اس قوم کے ثقافتی جغرافیائی عوامل لازمی طور پر شامل ہوتے ہیں اور اس قوم کی شاعری اور لسانیات میں اس زمین کی تاریخی جغرافیائی اور ثقافتی خصوصیات بھی اس تہذیب کی بیرونی اور داخلی سطح کو منعکس کرتی ہیں۔ وزیر آغا ان دونوں نظموں کے حوالے سے اپنی کتاب **اردو شاعری کا مزاج** میں لکھتے ہیں:

> ”ان دونوں سطحوں کے امتزاج ہی سے کسی ملک کا وہ ثقافتی اور تہذیبی پس منظر مرتب ہوتا ہے جو اس کی زبان اور شاعری پر اپنے گہرے اثرات مرتسم کرتا ہے۔“(۳)

مندرجہ بالا حوالوں سے ہمارے سامنے وزیر آغا کی مادرِ ارضی کے لیے محبت اور بے پناہ لگاؤ کی کیفیات سامنے آتی ہیں۔ نیز ان حوالوں سے ان کے مخصوص ذہنی نظریات کی بھی عکاسی ہوتی ہے جن کی بنیاد پر ”ارضی ثقافتی تحریک“ کا آغاز ہوا۔ وزیر آغا کے ان ارضی ثقافتی نظریوں میں ایک اختلافی نقطہ یہ نظر آتا ہے کہ وہ پاکستانی سرزمین میں موجود ہزاروں سالہ پرانے تہذیبی اور تاریخی آثار کو پاکستان کی بنیادی تہذیب سے ملاتے ہیں۔ وہ اپنی اس نظریاتی تحریک کی اساس مذہب اسلام کے ابتدائی اصولوں کے بہ جائے ہند کی صدیوں پرانی گندھارا اور وادی سندھ کی تہذیب کو قرار دیتے ہیں۔ یہ ارضی نظریہ بیشتر ادبا کے نزدیک قابلِ قبول نہیں تھا۔ تاہم انور سدید (۱۹۲۸ـ۲۰۱۶ء) جو وزیر آغا کی ذہنی صلاحیتوں کے معترف تھے، ان کے ارضی نظریات کی اصولی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ، وزیر آغا کے فکری مقلدین میں شامل تھے۔ ان کے ارضی ثقافتی نظریات کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے **اردو ادب کی تحریکوں میں** رقم طراز ہیں:

"ارضی ثقافتی تحریک نے انسان کے پورے ماضی سے رشتہ استوار کیا اور ادب کی تخلیق کو انسانی سائیکی کا کرشمہ قرار دیا۔ ہند اسلامی ثقافت کی ابتدا اس سر زمین سے ہوئی...... جوں جوں بیرونی اثرات اس سر زمین کے مزاج کا حصہ بنتے گئے توں توں ثقافت میں بھی نئی پرتیں پیدا ہوتی گئیں۔ اس لحاظ سے یہ تحریک پاکستانی ثقافت اور ادب کی گہرائی اور تنوع کی نشان دہی کرتی ہے۔"(۴)

اس توضیحی حوالے سے وزیر آغا کی اس تحریک کی معنویت خاصی حد تک واضح ہوتی نظر آتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وزیر آغا کی نظریاتی اساس زمین کے تاریخی، تخلیقی اور تہذیبی عوامل سے جڑی ہے۔ اس لیے وہ اپنی اس ادبی تحریک کو مادر ارضی کی محبت سے معنون و منسوب کرتے ہیں۔ وزیر آغا کے 'مادر سری' اور 'پدر سری' نظریات کے حوالے سے مرزا حامد بیگ (۱۹۴۹ء) کا ایک اختلافی بیان نظر آتا ہے جس میں انھوں نے یہ نظریہ سازی سجاد باقر رضوی (۱۹۲۸۔۱۹۹۲ء) کے نام سے موسوم کی ہے۔ ان کا یہ بیان، ان کے ایک مکتوب بہ عنوان "ڈاکٹر سجاد باقر رضوی یا وزیر آغا" جو ماہ نامہ **فنون** میں شائع ہوا تھا، میں نظر آتا ہے۔ اس مکتوب میں مرزا حامد بیگ کہتے ہیں:

"تہذیبی، ثقافتی اور تخلیقی عوامل کی چھان پھٹک کے سلسلہ میں یہ غلط فہمی عام ہے کہ "مادر سری اور پدر سری" اصولوں کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا نے اولین نظریہ سازی کی۔ محض ریکارڈ درست رکھنے کے لیے عرض ہے کہ **اردو شاعری کا مزاج** از ڈاکٹر وزیر آغا (جدید ناشرین، لاہور: طبع اول مئی ۱۹۶۸ء) منصۂ شہود پر آنے سے بہت پہلے یعنی ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۴ء کی درمیانی مدت میں، یہ نظریہ سازی ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کر چکے تھے۔ البتہ باقر صاحب کے ان نظری مضامین کا مجموعہ **تہذیب و تخلیق** میں شامل "ادب اور زندگی کا رشتہ"، "ادب میں شخصیت کا مسئلہ"، "ہمارا عہد اور تنقید"، "پاکستانی تہذیب کا مسئلہ"، قومی طرز احساس اور علامتیں" اور "اکبر اور ہندی مسلمانوں کی تہذیب" چند ایسے مضامین ہیں جن میں کی گئی بحث کو اس ضمن میں خشت اول کی حیثیت حاصل ہے اور یہ تمام مضامین **اردو شاعری کا مزاج** سے بہت پہلے شائع ہو چکے ہیں ...... جہاں سے ڈاکٹر وزیر آغا نے یہ تصور اخذ کیا۔" (۵)

"ارضی ثقافتی تحریک" کی نظریہ سازی کے حوالے سے بھی کچھ ادبا کو بہت اختلاف رہا خصوصاً

تاریخی اور جغرافیائی لحاظ سے وہ بہ حیثیت پاکستانی مسلمان اپنا تاریخی اور تہذیبی ورثہ "اسلامی تاریخ" کو ہی قرار دیتے ہیں نہ کہ ہزاروں سال پہلے کی قدیم تاریخ کو اپنا تاریخی ورثہ تسلیم کرتے ہیں۔ جمیل جالبی (۱۹۲۹۔۲۰۱۹ء) اپنی کتاب **پاکستانی کلچر** میں اس نظریے کو رد کرتے ہیں۔ان کے مطابق، پاکستانی تہذیب کو ہزاروں سال پرانی موئن جوداڑو یا بدھ مت کی تہذیب سے جوڑنے کے پس پردہ کچھ مخصوص قوتیں ہیں جو ہند اسلامی ثقافت اور تاریخ سے منافرت پھیلانا چاہتی ہیں ۔ دراصل ایسا کرنے سے ہمارے روحانی رشتے جو اسلامی تاریخ سے جڑے ہیں، کمزور پڑنے لگتے ہیں۔ وہ ہند اسلامی ثقافت کا ذکر بھی کرتے ہیں جس میں مسلم مغل بادشاہوں کی خوب صورت ثقافتی اور تعمیراتی سرگرمیاں شامل ہیں۔ مثلاً تاج محل، مساجد اور دیگر عمارات وغیرہ کہ یہ سب ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں اور ہمیں کسی بھی نفرت یا تعصب اور جغرافیائی حدود کی پروا کیے بغیر انھیں اپنانا ہے۔ ہم ان سب کو اپنی تہذیبی تاریخ سے خارج کر کے اپنی نئی تاریخ ۱۹۴۷ء سے شروع نہیں کرسکتے۔ پاکستانی تہذیب و ثقافت کی اس بحث میں جمیل جالبی اسلام اور روحانی تجربات کو سب سے زیادہ فوقیت دیتے ہیں اور خاص طور پر کسی بھی غیر اسلامی تحریک یا ثقافتی اقدار کو پاکستانی تہذیب کی بنیاد ماننے کو تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں ہماری اسلامی تہذیب کا ایک جزو تو بن سکتی ہیں لیکن ہمارے روحانی تجربات کی بنیاد نہیں ہوسکتیں۔ جمیل جالبی پاکستانی تہذیب کی شناخت اسلامی اور روحانی اقدار کے حوالے سے ہی کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ غیر اسلامی تہذیب ہماری تاریخ کا حصہ تو ہوسکتی ہے مگر ہمارے اسلامی شعور اور روحانی تجربے میں کسی طور شامل نہیں ہوسکتی۔ وہ ہڑپہ اور موئن جوداڑو کو محض علاقائی اور ثقافتی سطح پر اپنے وطن کا حصہ مانتے ہیں لیکن اپنی ہزار سالہ اسلامی تاریخ میں ان تہذیبوں کے اثرات کے نظریات کو رد کرتے ہیں۔ وہ اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

> "آخر سوچنے کی بات ہے کہ صرف برتنوں، نقش گروں اور اس کے نمونوں میں ہم اپنے روحانی رشتے کیسے تلاش کرسکتے ہیں۔ یہ اگر شامل بھی ہیں تو ہمارے کلچر میں صرف خارجی طور پر شامل ہیں۔ دراصل بنیادی مسئلہ تو روحانی تجربے، تاریخ اور روایات کا مسئلہ ہے اور یہی اصل معیار ہے۔"(۶)

دراصل وزیر آغا نے جہاں تک ارضی اور زمینی قربت کی بات کی، وہاں تک تو غالباً ہمارے ادبا کے لیے قابلِ قبول ہی نہیں باعث سعادت بھی تھی کہ ارض وطن کا ایک ایک ذرہ ہماری محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز ہے۔ مگر وزیر آغا کے ان نظریات نے جب پاک وطن کی تشکیلی بنیادوں کی اصل جڑ بھی ان ارضی اور

پیمانۂ زان 79

تہذیبی نظریات کو قرار دیا تو پاکستان کو اسلام کا ایک معجزہ قرار دینے والے بہت سے ادبا نے ان نظریات کو رد کیا ۔انھوں نے پاکستان کے تشکیلی رجحانات و عوامل میں صرف اسلام کو ایک حقیقی عنصر قرار دیا، مزید یہ کہ کروڑوں مسلمانوں کے روحانی عقائد اور اسلامی نظریات ہی پاکستان کی اٹل اور مستحکم بنیاد ہیں۔ پروفیسر کرار حسین (۱۹۱۱۔۱۹۹۹ء) کے نزدیک بھی اپنی تاریخ اور تمدن کو غیر مذہبی تاریخی عوامل سے وابستہ کرنا نہایت غیر حقیقی بات ہے۔ کرار حسین اسلامی نظریاتی مملکت کی بنیادوں میں ہڑپہ، موئن جوڈارو اور گندھارا تہذیب کی آمیزش کے نظریات کو مسترد کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ تہذیبیں اور خود ہندی تہذیبوں سے زمانہ حال میں اپنا تعلق جوڑنا بے معنی سی بات لگتی ہے۔ اس حوالے سے وہ اپنے مضمون "پاکستانی کلچر اور اس کے مسائل" میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اب وہ تہذیبیں تاریخ کے عجائب خانے کی زینت ہیں جو قدیم آریا تہذیب یا قدیم ہندو تہذیب پر اثر انداز ہو کر خود ختم ہو چکیں۔ ہم ہند مسلمانی معاشرے کا ایک بڑا حصہ ہیں جو ۱۹۴۷ء سے ایک بدلے ہوئے تاریخی سیاسی جغرافیائی ماحول میں اپنی تقدیر کی منازل طے کر رہا ہے۔"(۷)

اسی نظریاتی حوالے سے احمد ندیم قاسمی (۱۹۱۶۔۲۰۰۶ء) اپنی کتاب **تہذیب و فن** میں وزیر آغا کے نظریے کے حامی نظر آتے ہیں۔ وہ پاکستانی تہذیب کو موئن جوڈارو اور ہڑپا سے وابستہ کرنے پر معترض نظر نہیں آتے۔ وہ کہتے ہیں کہ، ہزاروں سال پرانی اس خطے کی تہذیب کو ہم اس لیے مسترد نہیں کر سکتے کہ وہ بت پرستی کی تہذیب تھی اور اب ہم مسلمان ہیں اور اگر اب یہاں پر مسلمان حکم ران ہیں جو ان شاء اللہ رہیں گے تو ایسے میں اپنی تہذیبی تاریخ سے خائف ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔(۸)

یہاں "پاکستانی کلچر" پر مختلف تنقیدی آرا پیش کرنا مقصود نہیں بل کہ وزیر آغا کے ادبی نظریات سے متعلقہ بیانات اس لیے پیش کیے گئے تا کہ "ارضی ثقافتی" تحریک کے حوالے سے دوسرے تنقید نگاروں کی کچھ آرا کو متوازی طور پر دیکھا جا سکے۔ ان تمام آرا کی روشنی میں "ارضی ثقافتی تحریک" کے نظریاتی اور تشکیلی عناصر واضح ہوتے ہیں لیکن ادبی افق پر اس تحریک نے کیا اثرات چھوڑے نیز اس تحریک نے وطن سے محبت کے جذبے کو کس طرح سے اور کس کس صنف میں نمایاں کیا اگلے صفحات میں مجموعی طور پر تحریک کے ان ادبی پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ارضی ثقافتی تحریک کو ادبی سطح پر آگے بڑھانے میں وزیر آغا کے

ادبی جریدے **اوراق** نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ جنوری ۱۹۶۶ء میں جب **اوراق** جاری ہوا تو پاکستانی قوم ۱۹۶۵ء کی جنگی صورت حال سے تازہ تازہ دوچار ہوئی تھی اور وطن سے محبت اور جاں نثاری کا جذبہ ابھی گرم تھا۔ وطن سے محبت اور وطن کی حفاظت کی خاطر پاکستانی قوم سیسہ پلائی دیوار بن گئی تھی اور "خاکِ وطن" کا ہر ذرہ ہر پاکستانی کی نظر میں "دیوتا" کا روپ دھار چکا تھا۔ انور سدید اپنی کتاب **ڈاکٹر وزیر آغا (ایک مطالعہ)** میں تحریر کرتے ہیں کہ **اوراق** کے اجرا کا اصل مقصد قومیت کے بھرپور جذبے کو فروغ اور دوام بخشنا تھا۔ جب کہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ نے اس ارضِ پاک کی محبت کو ہر پاکستانی کے دل میں از سرِ نو جگا دیا تھا، **اوراق** نے اس جذبے کو فزوں تر کرنے میں معاونت کی۔ انور سدید کہتے ہیں:

> "ارضِ وطن کے لیے محبت کا جذبہ پیدا کرنے اور اس کی عظمت و تقدیس کو فروغ دینے کے لیے **اوراق** نے ادب کے تخلیقی عمل کو بالواسطہ طور پر استعمال کرنے کی طرح ڈالی اور یہ بات بے حد خوش آئند ہے کہ ابتدا میں اس کی شدید مخالفت کی گئی لیکن یہ تحریک چوں کہ خود اہلِ وطن کے بطون سے ابھر رہی تھی اور ان کے دلوں کی صادق آواز تھی اس لیے اسے آہستہ آہستہ پذیرائی حاصل ہوتی چلی گئی۔" (۹)

اوراق کے اداریوں میں وزیر آغا وطن کے تحفظ اور وطن کی زمین سے گہری وابستگی کو پہلا مقدس فریضہ گردانتے ہیں کہ باقی تمام باتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ اپنے وطن سے محبت ہی کو **اوراق** کا بنیادی نقطہ قرار دیتے ہیں۔ وزیر آغا نے اپنے نظریات میں زمین کو کسی بھی قوم کی ثقافت کا علم بردار قرار دیا۔ وہ **اوراق** کی وساطت سے اپنے ان ارضی ثقافتی خیالات کو اپنے تنقیدی مضامین میں بالخصوص اور شاعری اور دیگر اصنافِ ادب میں بالعموم پیش کرتے رہے۔ ان کے مطابق کسی بھی قوم کا ادب اپنی ثقافت اور تہذیب سے جدا نہیں ہو سکتا جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ادب اپنے خاص تہذیبی، ثقافتی اور سماجی حالات کے تحت پروان چڑھتا ہے اور ہر علاقے کا ادب اپنی قومی، مقامی اور علاقائی علامتوں کی وجہ سے جداگانہ تشخص کا حامل ہوتا ہے۔ پاکستانی ادب بھی اپنے وطن کے منفرد رنگوں سے مزین ہے۔ انور سدید، وزیر آغا کی ادبی کاوش **اوراق** کو اس لحاظ سے بھی بہت سراہتے ہیں کہ **اوراق** نے ایک خاص عہد میں پاکستانی قوم کے دلوں میں جذبہ حب الوطنی کو اپنی ادبی اصناف سے اجاگر کیا۔ وہ خاص پاکستانی رنگ اور شناخت جو پاکستانی ادب کی پہچان بنی **اوراق** جیسے ادبی جریدے کی معرفت فروغ پانے لگی۔ خصوصی طور پر اردو شاعری کی اصناف میں اپنی قومی اور تہذیبی علامات و لفظیات کو مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ اردو نثر میں افسانے اور انشائیے میں بھی یہ

مقامی رنگ سوہنی دھرتی کے تصور سے ہی وابستہ ہونے لگے۔ انور سدید **اوراق** کے ان ادبی رجحانات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اصناف کے یہ جدید رجحانات **اوراق** کی وساطت سے اہل ادب تک پہنچے اور ان سے نہ صرف ادبا کا ایک بڑا طبقہ متاثر ہوا بل کہ ادب کا دھارا بھی ایک نئے رخ پر بہنے لگا۔"(۱۰)

"ارضی ثقافتی تحریک" چوں کہ ادبی نظریات سے ہی تولد ہوئی تھی لہٰذا اصناف ادب پر اس کے اثرات ناگزیر تھے۔ اس تحریک کے پس پردہ نظریات، وجوہات اور پسِ منظری قومی حالات کے بیان کے بعد ہم تحریک کے خالصتاً ادبی رجحانات پر ایک جامع نظر ڈالتے ہیں۔ "ارضی ثقافتی تحریک" نے ادب کی تمام اصناف میں وطن سے محبت اور وابستگی کا رنگ بھرا اور اس رنگ اور رجحان کو نمایاں کرنے اور فروغ دینے میں وزیر آغا نے **اوراق** کا ادبی پلیٹ فارم استعمال کیا جہاں نہ صرف جدید نظم و غزل، مباحث، افسانہ، ناول اور سب سے بڑھ کر انشائیہ نگاری میں پاکستانی جغرافیائی، تہذیبی اور ثقافتی ماحول کے مطابق ادبی تخلیقات کرنے کاوش کی گئی۔ اس کے علاوہ تنقیدی اور تحقیقی میدان میں بھی جواں سال اور جواں فکر ادبا کو متعارف کروایا گیا۔ "ارضی ثقافتی تحریک" ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد وطن سے محبت کے ثمرات سمیٹتی ہوئی ادبی افق پر نمودار ہوئی تھی، لہٰذا اس تحریک نے ادبی کینوس پر ملی جذبے سے بھرپور متحرک اور جان دار تخلیقات کے رنگ بکھیرے۔ ہمارے شعرا اور ادبا نے خالص قومی ادبی تخلیقات کے انبار لگا دیے اور پاکستانی قوم کے دلوں میں ارض وطن کی محبت اور قربانی کے جذبات کو مہمیز کیا۔

"ارضی ثقافتی تحریک" کا سب سے مؤثر اظہار شاعری کے ذریعے ہوا۔ شاعری میں خصوصیت کے ساتھ جدید نظم میں وطن سے محبت اور وابستگی کا اظہار نئے علامتی اسالیب میں ہوا۔ جدید نظم کے حوالے سے بہت سے تنقید نگار وزیر آغا کو ہی پیش رو کا درجہ دیتے ہیں۔ انور سدید نے وزیر آغا کو "جدید نظم" کا مشعل بردار قرار دیتے ہوئے کہا کہ انھوں نے اردو نظم کو ایک نیا علامتی نظام دیا ہے۔(۱۱)

قیامِ پاکستان کے بعد بدلے ہوئے سیاسی اور معاشرتی حالات میں اردو ادب میں مسلسل تبدیلیوں کا عمل جاری رہا اور ۱۹۶۰ء، ۱۹۷۰ء کی دہائیوں میں نئی نئی ادبی تحریکات اصناف ادب میں نہ صرف موضوعاتی بل کہ لسانی اور ہیئتی حوالے سے بھی تبدیلیاں لانے کا موجب ہیں۔ "ارضی ثقافتی تحریک" کے زیر اثر بھی اصناف ادب نے بہت سے موضوعاتی اور علامتی اسالیب اختیار کیے۔ خصوصاً وطن سے محبت اس دور میں ایک طاقت ور اور فعال محرک تھا جس کو ان دنوں ہر تخلیق کار نے اپنی تخلیق کا بنیادی موضوع بنایا۔

وزیر آغا پاکستانی ادب کی بنیادوں میں خالص مقامی ثقافتی رنگوں کی علامات اور اسلوبیات کے مستعمل ہونے کی بات کرتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ادب میں یہ مقامی اور علاقائی تبدیلیاں یقیناً "نظریہ پاکستان" یا اسلامی شناخت اور اقدار کی توثیق کرتی نظر آتی ہیں۔ وزیر آغا اپنے مضمون "پاکستانی ادب کا جائزہ" میں ادب پر ان تمام مقامی اور ثقافتی اثرات کا بہ نظر غائر جائزہ لیتے ہیں۔ وہ شاعری اور نثر میں استعمال ہونے والی علامات اور لسانی تبدیلیوں کی بات کرتے ہیں اور اردو ادب کے ان مشہور شعرا اور افسانہ نگاروں کا تذکرہ بھی کرتے ہیں جنھوں نے شاعری اور افسانہ نگاری میں خالص علاقائی اور ثقافتی رنگ پیش کیے۔ خاص طور پر شاعری کے حوالے سے اپنے مضمون میں تحریر کرتے ہیں:

"غزل میں ایرانی بلبل کے نغمے کی جگہ پاکستانی پرندوں کی چہکار نے لی جیسے ناصر کاظمی اور مجید امجد کے ہاں ایرانی چمن کی جگہ جنگلوں اور کھیتوں نے لے لی۔ جیسے ناصر شہزاد...... جمیل الدین عالی اور ابن انشا نے شاعری کو زمین سے اور بھی قریب کر دیا..... مجید امجد، شاد امرتسری، فارغ بخاری، اعجاز فاروقی، نثار ناسک، تاج سعید، پرتو روہیلہ، سرمد صہبائی اور بعض دوسرے شعرا کو اس ضمن میں پیش کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے شاعری میں ثقافتی گہرائی پیش کی۔"(۱۲)

وزیر آغا کے مطابق پاکستانی افسانوں اور کہیں کہیں ناولوں میں بھی پاکستانی کرداروں کے حقیقی مرقعے نظر آتے ہیں کیوں کہ ہجرت کے عمل میں ایک اجتماعی نقل مکانی ہوئی اور ان تمام حالات و واقعات کے فوری اور شدید اثرات اردو افسانے نے بھی قبول کیے۔ افسانے اور شعری ادب کے علاوہ "ارضی ثقافتی تحریک" کے زیر اثر تنقیدی مضامین اور تصانیف کا ایک وسیع سلسلہ نظر آتا ہے۔ خود وزیر آغا کا نام بھی ایک منفرد تنقیدی زاویہ فکر کے حامل نقاد کے طور پر لیا جاتا ہے۔ ان کی تنقید میں فکر و نظر کا ایک مربوط اور مستقل نظام نظر آتا ہے جو ان کی تصنیف کردہ بیشتر تنقیدی کتب میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے فکری مقلدین بھی ان کے تنقیدی نظریات کے فروغ میں پیش پیش رہے۔ گویا کہا جا سکتا ہے کہ وزیر آغا ایک نئے تنقیدی دبستان کے رہنما ہیں اور ان کے تنقیدی رویے کے زیر اثر تنقیدی جہات اپنانے والے نقادوں میں، غلام جیلانی اصغر، اعجاز فاروقی، مشتاق قمر، رشید امجد، جمیل آذر، سجاد نقوی، صبا اکرام اور رشید نثار کے نام نمایاں ہیں۔

"ارضی ثقافتی تحریک" نے اصناف ادب میں سب سے زیادہ جس صنف کو مؤثر طور پر فروغ دیا،

وہ "انشائیہ نگاری" ہے۔ ارضی ثقافتی نظریات کے تحت انشائیہ نگاری میں بھی وزیر آغا ہی کو استناد حاصل ہے۔ انھوں نے اس صنف میں جدید انشائی ادب کے مطابق بہت سے مضامین تحریر کیے۔ ان کے انشائیوں کے بہت سے مجموعے منظر عام پر آئے۔ وزیر آغا کی انشائیہ نگاری میں اولیت کے حوالے سے سمیرا حسن اپنے مضمون "دیگر اصناف نثر، انشائیہ" میں لکھتی ہیں:

> "ڈاکٹر وزیر آغا بعض نقادوں کی رائے میں انشائیہ کے جدید اسلوب کی تحریک کے بانی کی حیثیت سے نمایاں ہیں۔ انھوں نے ۱۹۵۸ء میں اس طرز کے انشائیے لکھے جو جدید انشائیے کے عمومی معیار پر پورا اترتے ہیں۔ انھیں اُردو ادب کا پہلا انشائیہ نگار قرار دینا سہل نہیں البتہ وہ انشائیے کی جدید تحریک کے بانی ضرور ہیں۔" (۱۳)

وزیر آغا کے نظریاتی مقلدین میں سے غلام جیلانی (۱۹۱۸۔۲۰۰۶ء)، غلام الثقلین نقوی (۱۹۲۳۔۲۰۰۲)، ڈاکٹر انور سدید (۱۹۲۸ء۔۲۰۱۶ء)، مشتاق قمر (۱۹۳۴۔۱۹۸۹ء) اور جمیل آذر (۱۹۳۱ء) کے نام زیادہ معروف ہیں ان تمام ادبا نے اس تخلیقی فن کو خصوصی اظہار کا وسیلہ بنایا۔ اس کے علاوہ سلیم آغا قزلباش، کامل القادری اور شہزاد احمد کے انشائیے بھی پاکستانی رنگوں کی حسین تصویریں پیش کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد "ارضی ثقافتی تحریک" نے جو ادبی اور تخلیقی صورت حال وضع کی اس کے نتائج بہت حوصلہ افزا اور مثبت رہے۔ بیسویں صدی کے اختتام اور اکیسویں صدی کی دو دہائیوں تک پاکستان میں اردو ادب میں جن قومی نظریات کے ساتھ تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی کام ہوا، وہ مقدار اور معیار کے لحاظ سے اردو ادب میں بیش بہا اضافہ ہے اور کسی بھی قومی ادب کے لیے ایک بیش قیمت تخلیقی ورثہ بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس پاکستانی ادب کو کسی بھی عالمی ادب کے معیار پر پرکھا جا سکتا ہے۔ گویا کہا جا سکتا ہے کہ "ارضی ثقافتی تحریک" اور دیگر قومی ادبی تحریکوں کے رد عمل میں اکیسویں صدی کے اس جدید دور تک پاکستان میں تخلیق ہونے والا اردو ادب اپنی مختلف اصناف میں باقاعدہ پاکستانی موضوعات اور عنوانات کے ساتھ تخلیق ہو رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) وزیر آغا،شام کی منڈیر سے،(لاہور:مکتبہ جدید پریس،۱۹۸۶ء)۱۳۶۔

(۲) وزیر آغا،نئے تناظر،(الہ آباد:اردو رائٹرس گلڈ،۱۹۷۹ء)،۶۰۔

(۳) وزیر آغا،"دیباچہ"،اردو شاعری کا مزاج، (علی گڑھ ایجوکیشنل بک ہاؤس،۱۹۷۴ء)،۹۔

(۴) انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں،(کراچی:انجمن ترقی اردو، طبع دوم،۱۹۹۱ء)،۶۳۳۔

(۵) حامد بیگ،"سجاد باقر رضوی یا ڈاکٹر وزیر آغا"، مشمولہ،سجاد باقر رضوی کی ادبی خدمات (پاکستانی ادبی طرز احساس کے تناظر میں)، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی ،مقالہ نگار،عارف محمود، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۹۰ء)،۱۴۰۔

(۶) جمیل جالبی،پاکستانی کلچر ، (کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن،ایڈیشن پنجم،۱۹۹۲ء)،۶۹۔۷۰۔

(۷) کرار حسین،"پاکستانی کلچر اور اس کے مسائل"، مشمولہ،نیا دور ،(کراچی: شمارہ ۴۷۔۴۸)،۳۷۔

(۸) احمد ندیم قاسمی، تہذیب و فن،(لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز،۱۹۹۱ء)،۹۲۔

(۹) انور سدید،ڈاکٹر وزیر آغا (ایک مطالعہ)،(لاہور: مکتبہ جدید پریس،۱۹۸۳ء)،۲۲۸۔

(۱۰) ایضاً،۲۸۸،۲۸۹۔

(۱۱) ایضاً،ص،۳۷۸

(۱۲) وزیر آغا،"پاکستانی ادب کا جائزہ" مشمولہ ،سرسیدین: پاکستانی ادب،پہلی جلد،(راولپنڈی: فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج،۱۹۸۱ء)،۵۷۰،۵۶۷،۵۶۹۔

(۱۳) سمیر احسن۔ "دیگر اصناف نثر،انشائیہ" مشمولہ، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند،اردو ادب جلد ششم، بیسویں صدی (دیگر اصناف)۔ (لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۲۰۱۴ء)،۲۷۵۔

BIBLIOGRAPHY

- Ahmad Nadeem Qasmi, *Tahzīb-o- Fann,* (Lahore: Pakistan Books and Literary Sounds, 1991).
- Anwar Sadeed, *Dr. Vazīr Agha- Aik Mutal'a,* Lahore: Maktaba Jadeed Press, 1983).
- Anwar Sadeed, *Urdū Adab ki Tehrīken,* (Karachi: Anjuman Taraqi Urdu, 1991)
- Hamid Baig, Sajjad Baqir Rizvi ya Dr Vazīr Agha, (Incl.) *Sajjad Baqir Rizvi ki Adabi Khidmāt (Pakistani Adabi Tarz-e Iḥsas ky Tanāzur men,* (Lahore: Punjab University, 1990)
- Jameel Jalbi, *Pakistani Culture,* (Karachi: National Book Foundation, 1992).
- Karar Husain, "Pakistanī Culture aur us kay Masail", (Incl.) *Neya Daur,* (Karachi: vol. 47-48).
- Sumera Hasan, "Dīgar Asnāf - e Nasr, Inshaia", (Incl.) *Tarīkh-i Adabiyāt-e Musalmanan- e Pakistan-o- Hind,* Urdu Adab vol.6, 20vi Sadi (Degar Asnaf), Lahore: Punjab University, 2014)
- Wazir Agha, "Pakistanī Adab ka Jaiza", (Incl.) *Sarsayedan: Pakistani Adab,* (Rawalpindi: Federal Govt. Sir Syed College, 1981).
- Wazir Agha, *Nay Tanāzur,* (Alahbad: Urdu Writers Guild, 1979).
- Wazir Agha, *Shām ki Mundair Sey,* (Lahore: Maktaba Jadid Press, 1986).
- Wazir Agha, *Urdū Sha'irī ka Mizāj,* (Ali Garh: Educational Book House, 1974)

❖❖❖